رسائل و مسائل

(ملک غلام علی)

کیا اللہ و رسولؐ کا کوئی ارشاد بے عملی کا باعث بن سکتا ہے؟

سوال:- میں ایک طالب العلم اور دینی ذوق رکھنے والا مسلمان ہوں۔ مگر کچھ عرصے سے ایک عجیب الجھن پیدا ہوگئی ہے جو حل ہونے نہیں پاتی۔ متعدد اہل علم سے رجوع کیا مگر تسلی نہ ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ قرآن اور کتب حدیث میں اس قسم کی آیات و روایات آئی ہیں، جن سے نماز روزہ اور دیگر اعمال صالحہ کی اہمیت کم ہوجاتی ہے مثلاً صحیح مسلم، ترمذی وغیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوم عاشوراء کا روزہ گذشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ عشرۂ ذی الحجہ کے روزوں کے بارے میں احادیث ہیں کہ ہر روزے کا ثواب سال بھر کے روزوں کے برابر ہے۔ حضرت ابوقتادہؓ کی روایت ہے کہ اس سے دو سال کے گناہ معاف ہیں۔ یوم عرفہ کے روزے کا ثواب بھی اتنا ہی مذکور ہے۔ اگر واقعی یوں ہی ہے تو پھر کیا اس سے گناہوں پر آزادی کا ثبوت نہیں مل رہا؟ اس کے بعد نماز روزہ کرنے اور گناہوں سے بچنے کی کیا ضرورت رہی؟ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جس نے لآ اِلٰہ اِلاَّ اللہ کہہ دیا، وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ مشکوٰۃ میں نماز تسبیح کے فضائل بیان ہوئے ہیں کہ اس سے سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ ابوداؤد اور مسند احمد میں بیان ہے کہ چاشت کی نماز سے ساری زندگی کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ مشکوٰۃ میں ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا "میری شفاعت اہل الکبائر کے لیے ہے"۔ اس کے بعد گناہوں سے کون بچے گا اور نیکی کی تکلیف اٹھائے گا؟ سورۂ الرحمٰن میں فرمایا:- وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ کیا جو شخص رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے مگر کوئی اچھا عمل نہ کرے اسے دو جنتیں یا دو باغ مل جائیں گے؟ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں آیا ہے کہ جو لوگ کہہ دیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر جم جائیں، انہیں فرشتے جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ اس طرح کی بہت سی آیات و روایات ہیں جو آپ کی نظر میں ہوں گی ان سے جو غلط فہمی اور تہاون پیدا ہوسکتا ہے، اس کا سدباب کیسے ہوسکتا ہے اور جو اعتراضات سوالات سامنے آتے ہیں ان کا کیا جواب دیا جائے گا؟

جواب: آپ کے سوال کا جواب دینے کے لیے خاصی طویل بحث کی ضرورت ہے۔ سردست مختصر جواب دیا جا رہا ہے۔ خدا کرے کہ موجب تشفی ہو۔ آپ نے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہوئے جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے اس میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ آپ نے اپنے سامنے صرف ایک پہلو اور ایک رُخ کو رکھا ہے اور صرف ان آیات و احادیث کو مرکز توجہ بنا لیا ہے جن میں بعض اعمالِ حسنہ کے نتائج بیان کیے گئے ہیں اور ان نصوص کتاب و سنّت سے بالکل نظر ہٹا لی ہے جن میں اعمالِ سیئہ کے نتائج بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مومن کا صحیح مقام بین الخوف والرجاء (امید و بیم کے درمیان) ہے۔ جو شخص شارع کے ان دونوں قسم کے ارشادات میں سے صرف ایک ہی پر اپنی نگاہ جمائے گا، وہ لازماً یا تو خوش فہمی یا پھر مایوسی کا شکار ہو جائے گا۔ اسی طرح جو شخص ان دو گونہ نصوص کو آپس میں ٹکرائے اور ان میں تضاد تلاش کرنے کی کوشش کرے گا اس کے حصے میں بھی گمراہی و حیرانی کے ماسوا کچھ نہیں آئے گا۔

مزید برآں اس سلسلے میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی صحیح تاویل معلوم کرنے اور حقیقت نفس الامری تک پہنچنے کے لیے بعض ایسے کلیات و مسلمات اور اصولِ اوّلیہ جو قرآن و حدیث ہی میں مذکور ہیں یا ان سے ماخوذ ہیں اور جن پر علمائے سلف کا اتفاق ہے، وہ بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے چاہییں۔ مثلاً فرائض کا اجر و ثواب بہرحال نوافل سے زیادہ ہے۔ فرائض و مکتوبات کی نیابت اور تلافی و تدارک نوافل سے ممکن نہیں ہے اور ترکِ فرائض کی صورت میں تطوعات عنداللہ قبول نہیں ہو سکتے۔ جو شخص فرض نماز کا تارک ہے، اس کے نوافل کس کام کے ہیں؟ جو زکوٰۃ یا عشر ادا نہیں کرتا، اس کے نفلی صدقات و خیرات کیا معنی رکھتے ہیں؟ جو شخص فرض روزے کی طاقت رکھنے کے باوجود اس کا تارک ہے، اس کا عاشورہ، ذوالحجہ یا عرفہ کا روزہ سال بھر کے گناہ تو کیا معاف کرائے گا، خود ہی ہباءً منثوراً بن کر ہوا میں اُڑ جائے گا۔ جس شخص کو صلوٰۃِ مفروضہ کی ادائی نصیب نہیں ہوتی، اس کی صلوٰۃ التسبیح دوسرے کبائر و صغائر تو کیا معاف کرائے گی، اُسے ترکِ نماز کے جرمِ کبیرہ سے بھی بری الذمہ نہیں کرا سکے گی۔ ترکِ صلوٰۃ اور ترکِ زکوٰۃ پر دنیا و آخرت میں جو شدید وعیدیں مذکور ہیں، وہ کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرض نماز کے تارکین کو گھروں سمیت جلا دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں کے لیے قرآن و حدیث میں عذاب جہنم کی وعید ہے اور دنیا میں صحابہ کرام نے ان کے خلاف مرتدین کی طرح قتال بالسیف کیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس امر میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے کہ نفلی عبادات تارکینِ فرائض کے لیے کفارہ نہیں بن سکتیں اور نوافل و تطوعات کے لیے جو بشارتیں وارد ہیں ان کے مستحق وہی مسلمان ہیں جو اوامر و فرائض کی پابندی حتی الوسع کرتے ہیں۔ ان ارشادات کا یہ مقصود و مدعا ہرگز نہ تھا کہ لوگ ان پر بھروسہ کر کے فرائض سے تغافل و تساہل برتیں اور منکرات و نواہی کے ارتکاب پر جری ہو جائیں۔

صحابہ کرام جو ان فرمودات کے اوّلین مخاطب تھے ان میں ہمیں کوئی مثال ایسی نہیں ملتی کہ انہوں نے ایسی بشارتیں سن کر ان پر غلط تکیہ کیا ہو جس سے اوامر و نواہی کی پابندی میں ڈھیل پیدا ہوئی ہو۔

اعمال کی جزا و سزا کے معاملے میں ایک اُصول کتاب و سنت میں یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تمام اچھے اور بُرے اعمال کا بحیثیت مجموعی موازنہ و محاسبہ اللہ کے ہاں ہوگا۔ جس کا اچھے اور وزنی اعمال کے لحاظ سے پلڑا بھاری ہو گیا وہ جنّت کا مستحق ہوگا، اور جس مسلمان کے اچھے اعمال وزن میں ہلکے ثابت ہوئے وہ دوزخ کا مستحق ہوگا۔ اس کے بعد اللہ چاہے تو ایسے مومن کو معاف کر دے اور چاہے تو معاف کرنے سے پہلے اُسے سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں بھیج دے۔ پھر وہاں اعمال کی ظاہری شکل و صورت کو نہیں بلکہ باطنی جذبے اور نیّت کو دیکھا جائے گا۔ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ بعض عبادت گزاروں اور روزے داروں کو سوائے رتجگے اور بھوک پیاس کے کچھ نہیں ملتا۔ یہاں فرض یا نفل نماز اور روزے کی تخصیص بھی مذکور نہیں جس سے معلوم ہوا کہ بعض موانع ایسے ہیں جن کی موجودگی میں فرض نماز روزہ بھی رد ہو سکتا ہے تا بنوافل چہ رسد۔ کوئی شخص عبادات و صدقات نافلہ اگر اس غرض کے لیے انجام دے کہ اُسے فرائض میں چھوٹ اور کبائر کی آزادی مل جائے تو ایسے اعمال نہ صرف مردود ہوں گے بلکہ ایسے زعم باطل پر عنداللہ مواخذہ ہوگا۔

اس کے علاوہ کتاب و سنّت میں بہت سے ایسے ہلاکت خیز اعمال گنوائے گئے ہیں جو بہت سارے دوسرے اعمال کو بھی ضائع اور حبط کر دیتے ہیں۔ ریاکاری کو شرک اصغر کہا گیا ہے، جس سے مالی انفاق، قتال اور دوسرے اچھے اعمال بے کار ہو جاتے ہیں۔ خیانت و غلول سے جہاد اور شہادت کا اجر مارا جاتا ہے اور ان کا مرتکب اُلٹا دوزخ میں جاتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص بہت سے اچھے اعمال کے ساتھ پیش ہوگا مگر اس کے ساتھ اُس نے حقوق العباد کو تلف کیا ہوگا، کسی کا مال چھینا ہوگا، کسی کو گالی دی ہوگی یا دوسری طرح خلقِ خدا کو نشانۂ ستم بنایا ہوگا تو اس شخص کی ساری نیکیاں ان مظلوموں میں بانٹ دی جائیں گی اور مظلوموں کی بُرائیاں اس ظالم کے سر پر لاد کر جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ ایسی بے شمار وعیدات کیوں آپ کی نظر سے اوجھل ہو گئی ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر فرمایا ہے کہ میری شفاعت اہل کبائر کے لیے ہے تو اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ ہر مرتکب کبیرہ مستحق شفاعت ہوگا اور بلا مواخذہ بخشا جائے گا؟ اللہ کے ہاں جس کے لیے اذن ہوگا، اسی کے حق میں شفاعت ہوگی۔ بہت سے اہل ایمان کا بھی ایک مرتبہ دوزخ میں داخل کیا جانا احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ ان لوگوں کے لیے یا تو شفاعت نہ ہوگی یا پھر سزا پانے کے بعد ہوگی۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینے والا میری شفاعت سے محروم ہوگا۔ بعض مجرمین کے متعلق فرمایا کہ میں ان کے خلاف مدعی بن کر مخاصمت کروں گا۔ غور و عبرت کا مقام ہے کہ خود حضور، شافع محشرؐ جس کے خلاف صاحبِ دعویٰ ہوں گے اس کا

شفیع کون ہو سکتا ہے اور وہ مواخذہ سے کیسے بچ سکتا ہے؟

میں آخر میں ایک عام فہم تمثیل پر جواب کو ختم کرتا ہوں۔ فرض کیجیے کہ ایک طبیب حاذق اپنے ایک نسخے میں قوت و توانائی کے لیے بعض مفید اور مجرب ادویہ و اجزاء کے نام لکھ دیتا ہے۔ پھر اپنی ایک مجلس میں بعض غذاؤں کے نفع بخش اثرات اور حفظانِ صحت کے بعض اصول بیان کرتا ہے اور کسی دوسری مجلس میں بعض زہریلی اشیاء اور سمیات کا بھی ذکر کر دیتا ہے کہ ان کے کھانے سے انسان بیماری یا موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اب یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ پر درست اور برمحل ہیں۔ لیکن کوئی نادان اگر کرتا یہ ہے کہ مقویات کے ساتھ ساتھ سمیات کو بھی نوش جان کر لیتا ہے اور اس کے بعد تنومند ہونے کے بجائے مرض الموت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہا جائے گا کہ طبیب حاذق نہ تھا یا اس کی کچھ باتیں صحیح اور کچھ غلط تھیں؟ اس سلسلے میں بہتر ہو گا کہ آپ مولانا مودودی کی کتاب تفہیمات حصہ اول کا وہ مضمون بھی پڑھ لیں جس کا عنوان ہے: "کیا نجات کے لیے کلمہ طیبہ کافی ہے؟"

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اپنی جگہ پر اٹل اور برحق ہے مگر مشکل یہ ہے کہ آج مسلمان صرف آسانیوں اور رخصتوں کے طالب اور سستی نجات کے خواہاں بن کر رہ گئے ہیں۔ جس طرح اہل کتاب کہتے ہیں کہ:۔ سَيُغْفَرُ لَنَا (توقع ہے کہ ہم بخشے جائیں گے)، اسی طرح مسلمان بھی یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہر بے عملی بلکہ بدعملی کے باوجود وہ بلا مواخذہ سیدھے جنت میں جا داخل ہوں گے، ترکِ اوامر اور ارتکابِ معاصی پر ان سے پرسش کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر یہ ایک مہلک غلط فہمی بلکہ گمراہی ہے جو ان کی اپنی کج روی اور کج فہمی کی پیداوار ہے۔ اللہ اور اس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ جو شخص دنیا میں دعوائے ایمان کرتا ہے، ہم تو بلاشبہ اسے مسلمان کہیں گے کیونکہ یہاں ظاہرِ احوال ہی پر سارے احکام مرتب ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ جس کا علم ظاہر و باطن دونوں پر حاوی ہے اس کے ہاں ہر زبانی دعوائے تسلیم کیے جانے کے قابل نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں کیوں فرماتا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ۔ (اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور یومِ آخرت پر حالانکہ وہ مومن نہیں)۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہر مسلمان کو کتاب و سنت کے ہر قول کے استماع اور بطریقِ احسن اتباع کی توفیق بخشے، آمین۔